کتاب سازی و کُتُب خانہ سازی

(اسلام کا ایک ثقافتی ورثہ)

جناب محمد حلیم چشتی صاحب

(۲)

دو قسم کے کتب خانوں کی اہمیت حقیقت یہ ہے کہ عہدِ رسالت سے چوتھی صدی ہجری تک مسلم معاشرے میں دو قسم کے کتب خانوں کی ہر جگہ کثرت رہی ہے:

اوّل وہ کتب خانے جنہیں عرفِ عام میں زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ یہ سامانِ کتابت کی قیود سے آزاد تھے۔

دوسرے وہ کتب خانے جن کا وجود سامانِ کتابت کا مرہونِ منت ہے۔ آج فن کی اصطلاح میں اسی کو چند قیود کے ساتھ کتب خانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کا فیضان ہے کہ مسلمانوں نے صدیوں تک دونوں قسم کے کتب خانوں کا سلسلہ برقرار رکھا۔

وہ زندہ کتب خانے (مکتبات حیّہ) جن سے بلاقیدِ زمان و مکان ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا، یہ علوم و معارف کے گنجہائے گراں مایہ علماء و محدثین، فقہاء و مفسرین، ادباء ائمہ لغت کے صدور (سینے) تھے، جن میں وہ سب کچھ محفوظ تھا جو انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور معاصرین صحابہ رض سے سنا اور شب و روز غور و فکر کے بعد خود سمجھا تھا، چنانچہ خلفاءِ اربعہ و عبادہ، یعنی عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن عمر، مجتہدین و حفاظ اور مکثرین (کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم)

کی جماعتیں[1] اسی قسم کے کتب خانوں کی نظیر تھی - اس لیے کہ جب اُن سے کچھ پوچھا جاتا وہ بے کم وکاست اُسے بیان کر دیتے - ان کے بعد ان کے نامور تلامذہ کی بھی یہی شان تھی - چنانچہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵۸ - ۱۲۴ھ = ۶۷۸ - ۷۴۲ء) کا واقعہ کتب تاریخ و تذکرہ میں محفوظ ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی (۷۱ - ۱۲۵ھ = ۶۹۰ - ۷۴۳ء) نے امام زہری کو بلا کر فرمائش کی کہ صاحبزادوں کو کچھ حدیثیں املا کروائیں - اُس نے پسِ پردہ کاتب کو بٹھایا تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں اور ہدایت کی کہ جو بیان کریں اُسے قلمبند کیا جائے - موصوف نے چار سو حدیثیں املا کرائیں - کچھ عرصہ بعد ہشام نے زہری سے عرض کیا: وہ ذخیرہ جو املا کرایا گیا تھا گم ہو گیا ہے - امام موصوف دوبارہ املا کرانے پر آمادہ ہو گئے - ہشام نے حسبِ سابق کاتب کو ہدایات دیں - امام زہری تو وہ حدیثیں املا کرا کر رخصت ہو گئے - خلیفہ ہشام نے ان کا مقابلہ کیا، سرِ مو فرق نہ پایا[2] - حفظ کا یہ انداز عربوں کی طبیعت و مزاج کے عین مطابق تھا - وہ جو کچھ سنتے اُسے حافظہ کی قید میں محفوظ رکھتے تھے - اِن وجوہ سے ابتدائی دور میں اس قسم کے زندہ کتب خانوں کو مسلم معاشرے میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی -

اِس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم معاشرے میں ابلاغِ علم اور کتب خانوں کی یہ وہ زندہ تحریک تھی جس نے مادی کتب خانوں کی تحریک کو ابتدا میں بہت سہارا دیا

[1] ابن حزم، الرسالۃ الثانیۃ، اسماء الصحابۃ الرواۃ وما لکل واحد من العدد، ص ۲۷۵ - ۲۷۶ (وله) الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدهم علی مراتبهم فی کثرۃ الفتیا - ص ۳۱۹ - یہ دونوں رسالے جوامع السیرۃ وخمس رسائل اخری تحقیق احسان عباس، ناصر الدین الاسد، مصر، دار المعارف، ب ت میں شامل ہیں -

[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ۱۳۲۵ھ، جلد ۹ ص ۴۴۹ -

ابتدائی دور میں وسائل و سامانِ کتابت کی اتنی فراوانی نہیں تھی کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسے بآسانی حاصل کیا جاسکتا۔ اس وجہ سے قرآن مجید کبھی کھال پر، کبھی پتھر پر، کبھی ہڈی وغیرہ پر لکھوا کر محفوظ کیا گیا تھا۔[1]

دوسرے وہ کتب خانے تھے جو "الکتاب" کے پرتوفیض اور "قیّدوا العلم بالکتاب" کی تحریک سے معرضِ وجود میں آئے تھے۔ اس تحریک نے عربوں کی طبیعت و مزاج کو بدلا۔ اُنھوں نے کتابت و ابلاغِ علم کو ایک امانت و فریضہ سمجھ کر کتابی صورت میں منضبط کرنا شروع کیا تاکہ اس ثقافتی ورثہ سے زیادہ سے زیادہ افادہ و استفادہ کیا جاسکے۔ اس طرح علوم و حکم کو صدور سے سطور (کتابوں) میں اور سینوں سے سفینوں میں منتقل کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور مسلم معاشرے میں کتب خانوں کا قیام عمل میں آنے لگا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص قرشی (۷ ق ھ – ۶۵ ھ = ۶۱۶ – ۶۸۴ء)[2]، ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر دوسی (۲۱ ق ھ – ۵۹ ھ = ۶۰۲ – ۶۷۹ء)[3] اور عبداللہ بن عباس (۳ ق ھ – ۶۸ ھ = ۶۱۹ – ۶۸۷ء)[4] رضی اللہ عنہم کے کتب خانے اس کی بہترین مثال ہیں۔ جو ذخائر ان کے کتب خانوں میں محفوظ تھے ان کی حیثیت مذکرات کی ہو یا مدونات کی، وہ سب ان کے حافظوں میں محفوظ تھے۔

---

۱ ابوعبید القاسم بن سلام غریب الحدیث حیدرآباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ ۱۹۶۷ء جلد ۴ ص ۱۵۶۔ ابن حجر، فتح الباری۔ مصر، مصطفٰی البابی الحلبی، ۱۳۷۸ھ جلد ۱۰ ص ۳۸۸۔ العینی، عمدۃ القاری القاہرۃ: ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔ ب ت، جلد ۲۰، ص ۱۶-۱۷۔ عبدالحی الکتانی۔ التراتیب الاداریۃ۔ الرباط، المطبعۃ الوطنیۃ، ۱۳۴۹ھ جلد ۲ ص ۲۴۲-۲۴۳ و ۲۴۸۔

۲ ابن حجر، فتح الباری۔ جلد ۱ ص ۲۱۷-۲۱۸

۳ ایضاً۔

۴ ابن سعد۔ طبقات الکبیر، لیڈن: بریل، ۱۳۲۵ھ۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۶

اسلامی فتوحات کا دائرہ جب وسعت اختیار کر گیا۔ اقوامِ عالم جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں — وہ عربوں کی طرح ہر بات کو یاد رکھنے کی عادی نہ تھیں، نہ ان کا حافظہ ان کی طرح قوی تھا۔ اس لیے "قیدوا العلم بالکتاب" کی تحریک کو اور بھی فروغ حاصل ہوا، اس اثنا میں گو علوم و فنون میں تنوع ہوا، کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے بھی بازارِ علم میں آنے لگے[1] اسلام کی بدولت علمی سیادت و قیادت موالی کو حاصل ہوئی۔ انھوں نے علمی مسندوں کو زینت بخشی اور ابلاغِ علم کی خاطر تصنیف و تالیف میں سرگرمِ عمل ہوئے[2] لوگوں کی جب ہمتیں جواب دینے لگیں۔ اور ائمہ فن کو علم کے برباد ہونے کا خطرہ ہوا تو انھوں نے تیزی سے سینوں سے سفینوں میں علوم و معارف کو م تارنا شروع کیا۔ گو درس و تدریس کا انداز نہیں بدلا، اس لیے کہ انھوں نے عربوں سے اکتسابِ علم کیا تھا۔ اور یہ انھی کے طریقۂ تعلیم کے دلدادہ تھے، چنانچہ علوم کی تحصیل اسی طرح حافظہ سے کی جاتی رہی[3]

---

[1] چنانچہ امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۷۵ھ) کا بیان ہے کہ:۔
"اسکندریہ میں ایک شیخ آیا جو نافع مولی ابن عمرؓ سے روایتیں بیان کرتا تھا۔ میں نے بھی اس سے دو قنداق (بڑی بڑی کاپیاں) نقل کیں اور انھیں نافع کو بھیجا، موصوف نے ان روایات سے انکار کیا۔ (السیوطی، تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص۔ تحقیق محمد الصباغ، بیروت۔ المکتبۃ الاسلامی، ۱۳۹۳ھ ص ۱۶۷)۔

[2] ابن عبد ربہ، کتاب العقد الفرید، تحقیق احمد ابن احمد الزین۔ ابراهیم الابیاری۔ ط۔۲، القاهرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۷۲ھ ص ۴۱۵۔۴۱۶۔ یاقوت، معجم البلدان، بیروت، دار صادر، ۱۳۷۴ھ جلد ۲ ص ۴۳۷۔ ابن خلدون۔ المقدمہ، بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۶۱ء ص ۱۰۴۷۔

[3] استحبوا ان یؤخذ عنهم حفظاً کما اخذوا حفظاً (ابن حجر۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۱۸۔

وسائلِ کتابت کی فراہمی یہی وہ زمانہ تھا جب وسائل و سامانِ کتابت بآسانی میسر ہونے لگا تھا۔ کاغذ کے کارخانے اسلامی قلمرو میں لگنے شروع ہوگئے تھے۔ کاغذ جب سہولت سے ملنے لگا تو ہر طرف قسم قسم کا علمی ذخیرہ جمع کیا جانے لگا۔ اسلامی قلمرو میں شہر شہر اور بستی بستی ہی نہیں بلکہ گلی گلی مادی کتب خانے قائم ہونے لگے اور سینوں کے ساتھ سفینوں میں علوم کا ذخیرہ کیے جانے کا ترقی پذیر سلسلہ مسلم معاشرے کا شعار بن گیا۔ اس طرح ہر دو قسم کے کتب خانوں کا باہمی سفر شروع ہوا۔ جہاں ایک پایا جاتا وہاں دوسرا بھی ساتھ ہی ملنے لگا۔ ہر دو نوع کے کتب خانوں کے تلازم کا یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری تک اپنے عروج پر رہا۔

اس دعوے کے ثبوت میں بطور مثال گزشتہ ادوار سے چند نامور ائمہ لغت، ادیب، طبیب اور حفاظِ حدیث کے نام بالترتیبِ زمانی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جن کے کتب خانوں کے ذخائر کم و بیش ان کے صدور میں محفوظ تھے۔

دوسری صدی ہجری:

۱۔ ابو عمرو بن العلاء بن عمار مازنی بصری المتوفی ۱۵۴ھ کا کتب خانہ۔

۲۔ امام سفیان ثوری کوفی المتوفی ۱۶۱ھ کا کتب خانہ۔

تیسری صدی ہجری:

۱۔ ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بغدادی حربی المتوفی ۲۸۵ھ کا کتب خانہ۔

۲۔ امام احمد بن حنبل شیبانی المتوفی ۲۴۱ھ کا کتب خانہ۔

۳۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ المعروف بثعلب المتوفی ۲۹۱ھ کا کتب خانہ۔

۴۔ ابو زرعہ عبید اللہ بن عبدالکریم رازی المتوفی ۲۶۴ھ کا کتب خانہ۔

۵۔ ابو الحسن علی بن عبداللہ بن جعفر المعروف بابن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ

۶۔ ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ کا کتب خانہ۔

۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ کا کتب خانہ۔

چوتھی صدی ہجری:

۱- ابو عبداللہ ابن اسحاق اصبہانی المعروف بابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ کا کتب خانہ

۲- ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب شامی طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ کا کتب خانہ

۳- ابوبکر محمد بن زکریا رازی المتوفی ۳۱۱ھ کا کتب خانہ۔

۴- ابو عبیداللہ محمد بن عمران مرزبانی بغدادی المتوفی ۳۸۴ھ کا کتب خانہ۔

پانچویں صدی ہجری:

۱- ابوذر عبد بن احمد بن محمد انصاری ہروی مالکی المعروف بابن السماک المتوفی ۴۳۴ھ کا کتب خانہ۔

۲- ابوحیان علی بن محمد توحیدی المتوفی ۴۰۰ھ کا کتب خانہ۔

مذکورہ بالا ائمہ فن کے کتب خانوں کا تذکرہ ہم نے اپنے "تحقیقی مقالہ" اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں" کیا ہے۔

اس دور میں (الف) مطالعہ (ب) تعلیم و تدریس (ج) تصنیف و تالیف (د) مناظرہ و مباحثہ (ھ) مذاکرہ (و) تفکر و تدبر وہ اہم ذرائع تھے جن سے علوم زندہ رکھے جاتے اور ان میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ علماء استفادہ و افادہ کی خاطر اپنے آپ کو علمی سرگرمیوں میں وقف کیے رہتے تھے۔ اس لیے علوم ان کے دماغ میں تازہ رہتے تھے، وہ اپنی یافت و دریافت، معلومات و تحقیقات کو کتابوں میں منتقل کر کے موجودہ و آئندہ نسلوں کو اپنے علمی نتائج و ثمرات سے باخبر رکھتے اور ان موضوعات پر قدما سے جو یادگار مواد ہوتا، مقدمۂ کتاب میں اس کی نشاندہی کر کے قاری کو ان کتابوں سے متعارف کراتے۔ مزید تحقیقات کے لیے نئے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے اور کتابی ذخائر کو فروغ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ان کے صفحاتِ قلب و دماغ پر مسطور ہوتا تھا ان کا خزانۂ کتب انھی علوم و حقائق کا خارجی وجود تھا، چنانچہ حوادثِ روزگار یا ارضی و سماوی آفات سے ان کا ذخیرۂ کتب ضائع ہو جاتا تو اس کی ٹیس وہاں کے ہر مقامی کے دل میں اُٹھتی تھی۔ اس کا انھیں بھی طبعی غم ہوتا تھا،

لیکن ان کے صفحاتِ قلب پر وہ علوم و حکم نقش ہونے کی وجہ سے نہ ان کا دل بیٹھتا اور نہ وہ بیمار پڑتے تھے، بلکہ ان علوم و معارف کا ہمہ وقت ذہن میں استحضار اور دل و دماغ پر ثبت رہنا ہی ان کے اطمینان کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ انہیں اس امر کا یقین تھا کہ وہ جب چاہیں گے ان علوم و حکم کو پھر صفحاتِ قرطاس پر بآسانی اُتار دیں گے۔ چنانچہ علماء و ادباء کے کتب خانے کسی وجہ سے نذرِ آتش کیے گئے تو انہوں نے جلانے والوں سے یہی کہا کہ تم نے ہمارا کتب خانہ جلا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا اس سے یہ سمجھنا کہ علم سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ درست نہیں۔ علمی ذخیرہ ہمارے دل و دماغ میں مسطور و محفوظ ہے۔ جن کی نظر سے ہماری تالیفات گذری ہیں، ان کے مضامین اہلِ علم کے ذہنوں میں اُتر چکے ہیں۔ انہیں محو نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ وزیر کافی الکفاۃ ابوالقاسم اسماعیل بن عباد طالقانی المعروف بصاحب ابن عبّاد (۳۲۶—۳۸۵ھ = ۹۳۸—۹۹۵م) نے ابوحیان علی بن محمد توحیدی (۰۰—۴۰۰ھ = ۰۰—۱۰۱۰ء) کو سال بھر قید میں رکھنے کے بعد جوشِ انتقام میں اس کا کتب خانہ نذرِ آتش کرایا تو ابوحیان کو رنج ہوا اور اُس نے اس ناروا حرکت پر اسے ملامت کی[1] لیکن آخر عمر میں جب اس نے اپنی تالیفات و علمی سرمایہ کو ناقدوں کے ہاتھوں میں جانے کے ڈر سے جلایا اور اس پر نکتہ چینی کی گئی تو اُس نے نکتہ چینوں سے کہا:

"میرے سینے میں وہ علم ہے جو کاغذ پر کاغذ بھرتا جائے گا اور زندگیاں ختم ہوتی رہیں گی، لیکن وہ علم فنا نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ میری آنکھ اس کے بعد سیاہی، ورق، جلد، قرأت، مقابلہ، تصحیح اور نوشت و خواند سے نہیں تھکتی ہے۔"[2]

علامہ ابومحمد علی بن احمد المعروف بابن حزم قرطبی (۳۸۴—۴۵۶ھ = ۹۹۴—۱۰۶۴ء)

---

[1] یاقوت، معجم الادباء ط: ۲، القاہرہ عیسی البابی الحلبی۔ ۱۳۵۷ھ، جلد ۶ ص ۲۱۷۔

[2] ایضاً— جلد ۱۵ ص ۲۲۳۔

کی تصانیف کو جب اشبیلیہ میں نذرِ آتش کیا گیا[1] اور یہ خبر اسے پہنچی تو اُس نے حسبِ ذیل شعر کہے تھے ؎

وان تحرقوا القرطاس لا تحرقوا الذی
تضمنہ القرطاس، بل ھو فی صدری

(اور تمہارا میری تصانیف جلا دینا دسُود مند نہیں اس لیے کہ) ان مضامین کو جو کتابوں کے ذریعے ذہنوں میں اُتر گئے ہیں، تم نہیں جلا سکتے، نہ اُن علوم کو جو میرے سینے میں محفوظ ہیں)۔

یسیرُ معی حیث استقلت رکائبی
وینزل ان انزل ویدفن فی قبری

(وہ علم میرے ساتھ چلتا ہے جہاں میری سواریاں جاتی ہیں اور جہاں میں اُترتا ہوں وہاں اترتا ہے۔ وہ میرے ساتھ قبر میں بھی دفن ہوگا)۔

دعونی من احراقِ رقٍ وکاغذٍ
وقولوا بعلم کی یری الناس من یدری[2]

(مجھے چھوڑو، چمڑے اور کاغذ کے جلانے سے باز رہو اور علم کی کہو تاکہ جو اہلِ علم دیکھیں وہ جان لیں)۔

ابوموسیٰ عبدالرحمٰن بن موسیٰ استیجی، امام مالک، سفیان بن عیینہ اور اصمعی جیسے ائمۂ فن کے شاگرد تھے۔ فقہ، حدیث، لغت و ادب کے امام و حافظ تھے، موصوف نے اندلس سے مشرق کا سفر کیا، کتابیں جمع کیں، لے جاتے وقت وہ بحرِ تدمیر میں غرق ہوگئیں، جب استیجہ پہنچے تو لوگوں کو اس حادثۂ جانکاہ کا علم ہوا۔ پورا شہر اس کی تعزیت کے لیے اُمنڈ آیا۔ اہلِ استیجہ ان کی بخیر و عافیت واپسی پہ مبارک باد پیش کرتے

(باقی برصفحہ ۵۷)

[1] یاقوت، معجم الادباء جلد ۱۲ ص ۲۴۹۔
[2] ایضاً " ص ۲۵۳۔

(بقیہ کتاب سازی و کتب خانہ سازی)

اور ان کی کتابوں کے تلف ہو جانے پر اُن کی تعزیت کرتے - یہ ان سے کہتے تھے:

ذهب الخرج وبقي الدرج

(کتابوں کے بورے بہہ گئے[۱] جو قلب پر مسطور تھا رہ گیا)۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عہد عباسی میں مسلم معاشرہ ہر دو نوع کے کتب خانوں سے مالا مال تھا - (باقی)

---

[۱] ابن الفرضی، تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس تحقیق عزت العطار الحسینی القاہرہ: مکتبۃ الخانجی، ۱۳۷۳ھ جلد ۱ ص ۳۰۰ -